تلخیص و تبصرہ

پروفیسر محمد سرور

حجۃ الاسلام ۔ تصنیف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

۱۸۷۶ء میں ضلع شاہجہان پور کے ایک قصبہ چاندا پور میں میلہ خدا شناسی کے نام سے ایک مذہبی اجتماع منعقد کیا گیا۔ اس میں مولانا محمد قاسم صاحب نے اسلام کی حقانیت پر ایک تقریر فرمائی تھی۔ ان کے مقابلے میں ایک پادری نولس تھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر جو اعتراضات ہوتے تھے، اپنی اس تقریر میں اُن کا بھی جواب دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے خود ہی اس تقریر کو قلم بند فرمایا۔ اور اسے حجۃ الاسلام کے نام سے شائع کیا گیا۔

اب اس کتاب کو مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کی تسہیل و تشریح کے ساتھ بڑے اہتمام سے دارالعلوم دیوبند سے شایع کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم حکیم تھے اور وہ اسلام کو حکیمانہ انداز سے پیش فرماتے تھے ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ جو کچھ اسلام کے بارے میں کہیں، اس کی اپیل عام ہو۔ اور ہر سلیم الطبع آدمی خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، اسے سُنے، اور سُن کر اس پر غور کرے۔ یہ تقریر آج سے کوئی سو سال پہلے کی گئی ہے، اور ظاہر ہے اس میں کئی ایک ایسی باتوں پر زور دیا گیا ہے، جن کو آج وہ اہمیت حاصل نہیں، جو سو سال پہلے

تھی، لیکن اس تقریر کا مبنیٰ خالص حکیمانہ ہے، اور آج بھی اسے پڑھ کر بصیرت ملتی ہے۔

سب سے پہلے مولانا محمد قاسم صاحب اس امر پر برہان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے، اور اُس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا، اس لئے انسان کی تخلیق حکمت پر مبنی ہے۔ اب انسان کو جو اللہ کی طاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے، تو اس میں خود انسان کا فائدہ ہے۔ "اس فرماں برداری کا نتیجہ بجز نفع بنی آدم اور کچھ نہ ہوگا۔ یعنی جیسے مریض کے حق میں اطاعتِ طبیب اور اُس کی فرماں برداری اُسی کے حق میں مفید ہے، طبیب کے حق میں مفید نہیں۔ اسے ہی خدا کی اطاعت بندے کے حق میں اُسی کی نسبت مفید ہوگی، خدا کی نسبت کچھ مفید نہ ہوگی۔"

جب اللہ کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوا، تو اس حکمت کو جاننے پہچاننے کی بھی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے اللہ نے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے عقل کی فضیلت حضرت مولانا نے یوں بیان فرمائی ہے:۔

"عقل ہر چیز کی حقیقت کے پہچاننے کے لئے بنائی گئی ہے اور قدرت بشری وغیرہ کو اس لئے بنایا ہے کہ حسب ہدایت عقل کام کیا کرے۔ اور ظاہر ہے کہ سب میں اوّل لائقِ شناخت وعلم خداوندِ عالم ہے۔"

عقل سے نہ صرف انسان ہر چیز کو پہچانتا ہے۔ اور اُس سے اِس زندگی میں ہدایت چاہتا ہے، بلکہ اسی سے وہ اللہ تعالےٰ کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کیسے حاصل کرے؟۔ اس کی وضاحت مولانا یوں کرتے ہیں:۔

سب حقائق اُسی کے وجود سے اِسی طرح تاباں ہوئی ہیں، جیسے فرض کیجیے آفتاب سے دھوپ .... دھوپ کی حقیقت اس سے

زیادہ اور کیا ہے کہ وہ ایک پرتوہ آفتاب ہے، مگر چونکہ سب میں اوّل اپنی ذات کا علم ہوتا ہے، اور اپنی حقیقت اُس کا ایک پرتوہ ٹھہرا، تو بے شک اپنا پہچاننا اور علم، اُس کے پہچاننے اور اُس کے علم پر موقوف ہوگا۔

مولانا اشتیاق احمد صاحب مصنف کے اس ارشاد کی یوں توضیح کرتے ہیں:۔

یوں سمجھ لیجئے کہ دھوپ جس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ آفتاب کا پرتوہ ہے، اپنی اس حقیقت کو اُسی وقت سمجھے گی۔ جب کہ پہلے یہ پہچان لے گی کہ آفتاب کیا ہے، اسی طرح انسان جس کا وجود ایک پرتوہ ہے، وجود حقیقی تعالیٰ شانہٗ کا، جب تک یہ نہیں پہچان لے گا کہ میں وجودِ حقیقی کا پرتوہ ہوں، اس وقت تک اُس کو اپنی ذات کی معرفت حاصل نہ ہوگی۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر انسان اپنے آپ میں اور اس کائنات میں عقل سے تفکر کرے گا اور چونکہ یہ سب کچھ اُسی کے وجود کا فیض ہے، جس طرح کہ دھوپ آفتاب کا فیض ہوتی ہے تو اس سے انسان کو اللہ تعالےٰ کا علم حاصل ہوگا۔

کتاب کے آخر میں ایک اور جگہ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام لینا کیوں ضروری ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے خلق اور خالق کے اس تعلق کو واضح کیا ہے، لکھتے ہیں

ہر موجود میں .... ادراک و شعور موجود ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب میں اوّل اپنا ادراک ہوتا ہے۔ اور اپنی حقیقت کی یہ صورت کہ جیسے دھوپ مثلاً انتہاء شعاع کا نام ہے اور شعاع ایک پرتوہ آفتاب کو کہتے ہیں، ایسے ہی ہر مخلوق کے لئے ایک انتہاء وجود ہوتا ہے اور وہ وجود پرتوہ وجود رب معبود ہے۔

یعنی رب معبود کے وجود کے پرتو سے ہر مخلوق کا وجود ہے۔

یہاں عدم اور وجود کی بحث آجاتی ہے۔ مولانا محمد قاسم فرماتے ہیں: مخلوقات کو معدوم محض کہنا تو بالبداہت غلط، ورنہ مخلوق ہی کیوں کہتے۔ پر موجود محض بھی اسی

وجہ سے نہیں کہہ سکے کہ اگر یہ ہوتا تو مخلوق کیوں ہوتے، خالق ہوتے۔ کیونکہ عدم پر عارض نہیں ہو سکتا۔ وجود پر عدم عارض نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے نہ معدوم محض ہو سکے، نہ موجود محض معدوم ہو سکے۔

اس بحث سے حضرت مولانا یہ ثابت کر رہے ہیں کہ "ہر حیوان کو خداوند کے ساتھ محبت ہونی چاہئے۔ اور کیوں نہ ہو خدا کے ہونے (یعنی وجودِ خدا) کی ا توجہ عالم کو ضرور ہے"۔ اور اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں :-

چونکہ وجود محض جو بطور مذکور سامان تحقق ممکنات ہے (یعنی ممکنات وجو کا سامان وہی وجود محض ہے) ذات خداوندی سے وہی نسبت رکھتا ہے، جو شعاعیں نور محض ہیں، ذات آفتاب سے رکھتی ہیں۔ اس لئے اپنی حقیقت کے تصور میں کے تصوّر کی حاجت ہے اور ظاہر ہے کہ اپنا تصوّر کس کو نہیں ہوتا۔ مگر جب لزوم تصور یہ ہے کہ ممکنات کا تحقق خدا کے تحقق پر موقوف ہے تو اپنی محبت کو کی محبت بھی لازم ہوگی، بلکہ اپنی محبت خدا کی محبت پر موقوف ہوگی اور ظاہر اپنی محبت کس کو نہیں ہوتی۔

اس سے حضرت مولانا یہ نتیجہ نکالتے ہیں :-

اس صورت میں مقتضائے دقیقہ فہمی اور حقیقت سنجی تو یہ ہے کہ ہر شے نسبت یہ اعتقاد کیا جائے (کہ وہ خدا سے محبت رکھتی ہے)۔ کیونکہ پہلے ثابت ہو ہے کہ ہر چیز میں ادراک و شعور ہے، مگر اتنا بھی نہیں تو اس سے کیا کم کہ حیوانات کی یہ امر واجب التسلیم ہو کہ اُن کے دل میں بھی خدا کی محبت مرکوز ہے۔

ممکنات اور واجب الوجود یا خلق اور خالق کے درمیان جو رشتہ ہے، اُ بیان کرنے کے بعد حضرت مولانا لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت انسان کے مقتضائے طبعی ہے۔ اس اطاعت سے کیا مراد ہے؟ مولانا فرماتے ہیں :-

اور سوا اس کے جو کام ایسا ہو کہ خدا کی اطاعت اُس پر اِسی طرح موقوف جیسے روٹی کا پکنا مثلاً آگ، لکڑی، توے، کنڈے وغیرہ پر۔ تو وہ اطاعت ہی

ساب میں شمار کیا جائے گا اور مثل اشیائے مذکورہ جو کمانے کے حساب میں شمار کی
اتی ہیں، اس کام کو اطاعتِ خدا کے حساب سے خارج نہ کر سکیں گے ۔

مولانا اشتیاق احمد صاحب اس کی تشریح یوں کرتے ہیں :۔ مطلب یہ کہ
عاشی کاروبار و دیگر ضروریاتِ زندگی سب اطاعتِ خدا کے حساب میں داخل ہیں ۔
سی طرح محتاجوں کی دست گیری، غربا کی خدمت، ملک و ملت کا تحفظ، اہل وعیال
ے حقوق کی ادائیگی، بلکہ اپنی ذات کو حسبِ ضرورت آرام پہنچانا تاکہ وہ اپنے اصل
ار اطاعت کے لئے قوت حاصل کرے ۔ ۔ ۔ ۔

اور سوا اس کے اور جو کام ہوگا، وہ سب اس کارخانہ سے علیحدہ سمجھا جائے گا
ور اس لئے بوجہ فوتِ مقصود مذکور وہ کام آدمی کے حق میں از قسم کم نصیبی اور بدبختی
مار کیا جائے گا ۔

مختصراً حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے پہلے تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور
س کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ۔ اور اُس نے جو انسان کو اپنی اطاعت و
رماں برداری کا حکم دیا ہے تو اس میں خود انسان کا فائدہ ہے اور اس کا نتیجہ نفع بنی آدم ہے ۔
اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے ۔ اور وہ اس سے معاملاتِ دنیا میں بھی ہدایت
اصل کرتا ہے اور اسی سے وہ خداوندِ عالم کی شناخت کرتا ہے ۔ انسان کا اپنے رب سے
یا تعلق ہے ؟ مولانا قاسم فرماتے ہیں کہ انسان کا وجود پرتو ہے اللہ کے وجود کا ۔
س لئے انسان کے اندر اللہ کو جاننے کی فطری صلاحیت موجود ہے (من عرف
فسه فقد عرف ربه) اور اسی طرح اللہ کی اطاعت بھی انسان کا فطری تقاضا ہے
ر اگر انسان یہ اطاعت نہیں کرتا، تو یہ اس کی کم نصیبی اور بدبختی ہے ۔ اس تمہید کے
عد حضرت مولانا اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :۔

"مگر اس بدبختی کا سبب کبھی غلطی ہوتی ہے، کبھی غلبۂ خواہش ۔ تو میرے ذمہ
وجہ خیر خواہی لازم ہے کہ غلطی والوں کو غلطی سے آگاہ کروں ۔ اور مغلوبانِ خواہش کو اپنا
زریک مرض سمجھ کر فضائلِ آخرت سمجھاؤں ۔ اور اُن سے خود اس ترغیب کا امید وار ہوں ۔"

"مگر چونکہ غلط کار لوگ بمنزلہ اُس مسافر کے ہیں جو شہر مطلوب کی سڑک کو بوجہ غلطی چھوڑ کر کسی اور راہ کو ہولے۔ اور مغلوبانِ خواہش ایسے ہیں جیسے فرض کیجئے شہر مطلوب کی سڑک پر جاتے ہیں۔ پر بادِ مخالف قدم بدشواری اُٹھانے دیتی ہے اس لئے غلطی والوں کے حال پر زیادہ افسوس چاہیئے۔"

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

اس لئے بنظر خیر خواہی یہ گزارش ہے کہ سوائے دینِ محمدی کوئی مذہب ایسا نہیں، جس میں عقائد کی غلطیاں باعثِ ترکِ رہگزارِ اصلی جس کو صراط مستقیم کہئے، ہوئی ہوں۔ تعصب مذہبی کو چھوڑ کر اگر اور صاحب (یعنی غیر مسلم صاحبان) غور فرمائیں گے تو سب کے سب اسی دین کو اپنے مطلوبِ اصلی کا راستہ سمجھیں گے۔ ہاں جن کو فکرِ آخرت ہی نہ ہوگا اور اُس جنت کی طلب ہی ان کے دل میں نہ ہوگی جو بمنزلہ شہر مطلوب، مقصود ہر خاص و عام ہے، تو وہ صاحب بے شک بمقابلہ خیر خواہی کمتین اور اُلٹے درپئے تردیدِ حق ہوں گے اور خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں کاٹ لیں گے۔

اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب دین محمدی پر گفتگو فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اس دین کے اُصول نہایت پاکیزہ ہیں۔ دو باتوں پر اس مذہب کی بنا ہے ایک توحید جو خلاصۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ دوسری رسالت جو خلاصۂ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ سوا ان کے اور جو کچھ (اسلام میں) ہے، انہی دو باتوں کی تفریع و تمہید ہے۔"

توحید کی بحث حضرت مولانا بڑی تفصیل سے کرتے ہیں:۔ ایک جگہ وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "اس تقریر سے تو فقط اتنی بات ثابت ہوئی کہ وجود ہمارا خانہ زاد نہیں۔ اُس خدا کا پرتو ہے، جو اپنے وجود میں مستغنی ہے پر اب اُس کی وحدت کی بات بھی سننی چاہیئے۔

باری تعالیٰ کی وحدت کا اثبات یُوں فرماتے ہیں:۔

"دیکھئے جیسے متعدد روشن دانوں کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، پر نور ایک ہی ہوتا ہے، اور پھر وہ شکلیں بذاتِ خود باہم بھی متمیز ہوتی ہیں۔ اور اس نُور سے بھی

متمیز ہوتی ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس وہ نور بھی بذات خود ہر شکل سے ممتاز و متمیز ہوتا ہے۔

"اسی طرح جس چیز کو دیکھیے، اُس کی ایک جدی حقیقت ہے۔ گو وجود ایک ہی سا ہے اور پھر ہر حقیقت بذاتِ خود دوسری حقیقت سے بھی متمیز اور وجود مشترک سے بھی متمیز ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس وجود بھی بذاتِ خود ہر حقیقت سے ممتاز و متمیز ہے۔ اور اس لئے جیسے روشن دانوں کی دھوپوں میں دو دو باتیں ہیں۔ ایک نُور ایک شکل، پر خود نُور میں دو چیزیں نہیں۔ ایسے ہی مخلوقات میں تو دو دو چیزیں ہیں۔ ایک وجود اور ایک اُن کی حقیقت، پر اُس وجود میں دو چیزیں نہ ہوں گی، اس لئے موجود اصلی میں جس کی نسبت وجود مذکور فیض ہے، کیونکر دوئی ہو سکتی ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ مخلوقات میں جو وجود ہے، وہ اُس وجود کا فیض ہے، جو کہ اصلی وجود ہے۔ اس وجودِ اصلی میں دوئی کا سوال نہیں پیدا ہوتا، اور نہ اس میں اجزاء ترکیبی ہیں۔ یہ وجود غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔ اس لئے فیاض وجود ایک وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہو گا۔ اور سوائے اس کے اور سب کا وجود اُس کی عطا اور فیض ہو گا۔

اس کے بعد وہ عیسائیوں کے اس عقیدے کا رد فرماتے ہیں کہ خدا کا کوئی بیٹا ہے۔ اس ضمن میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر خدا کو باپ یا انسان کو اُس کا بیٹا کہا گیا ہے تو یہ مجازاً ہے اور چونکہ اس سے غلط فہمی پیدا ہوئی، اس لئے اس کی ممانعت ضروری ہو گئی۔

اسی طرح حضرت مولانا نے عقیدۂ تثلیث کا رد کیا، ارشاد ہوتا ہے:۔ "ایک شے کے "حقیقت" میں ایک ہونے اور پھر "حقیقت ہی میں تین بھی ہونے کو کس کی عقل صحیح و صادق کہہ دے گی۔ یہ ایسی عظیم الشان غلطی ہے، جس کو لڑکوں سے لے کر بوڑھوں تک سب ہی بے بتلائے سمجھ جاتے ہیں۔ تثلیث اور توحید (یعنی ایک چیز کا تین بھی ہونا اور ایک بھی ہونا) کے اجتماع محال ہونے پر تو عقل ایسی طرح شاہد ہے، جیسے آنکھ آفتاب کے نورانی ہونے پر۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

غرض حضرت مولانا کے الفاظ میں

"اس صورت میں اگر انجیل کا کوئی فقرہ اس مضمون پر دلالت بھی کرے تو اس

فقرے ہی کو غلط کہیں گے اور شہادتِ عقل کو غلط نہ کہیں گے۔"

اور یہ اس لئے کہ

"..... ایسے ہی انجیل بھی ہدایت کے لئے اُتاری گئی ہے، مگر بمقابلہ عقل الصفا اس کا اعتبار نہیں۔ اور (یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم اُس منزل من اللہ انجیل پر یہ حکم لگاتے ہیں کہ اس کا اعتبار نہیں بلکہ) وجہ اُس کی یہ ہے کہ نقلِ کتاب میں غلطی ممکن ہے۔"

عیسائیوں کے غلط عقائد کی تردید کرنے کے بعد حضرت مولانا لکھتے ہیں کہ سچے عیسائی ہم محمدی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے حضراتِ مسیحی! ہمارا کام فقط عرض معروض ہے۔ سمجھانے کی بات کو سمجھ لینا تمہارا کام ہے..... بُرا نہ مانو تو سچ یہ ہے کہ سچے عیسائی ہم ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے اقوال و افعال کے موافق اُن کو بندہ سمجھتے ہیں۔ خدا اور خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ خدا کو ایک کہتے ہیں۔ تین نہیں کہتے۔"

اس کے بعد پھر اللہ کی ذات و صفات پر گفت گو ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کے افعال اختیاری ہیں، اضطراری نہیں۔ اگر اضطراری مانو گے، تو وہ غیر مختار ہوں گے۔ اس ضمن میں تقدیر کے مسئلے پر بحث کی گئی۔ اور آخر میں یہ بتایا ہے کہ:۔

"انبیاء اور علماء کی اطاعت بشرطیکہ علماء بمقتضائے منصبِ نیابت حکمرانی کریں، وہ (خدا ہی کی اطاعت ہے اور ان کے احکام) عین خدا ہی کے احکام ہیں۔"

یہ تو اللہ پر ایمان کا مبحث تھا۔ اس کے بعد مصنف عبادات کا ذکر کرتے ہیں۔ اس میں سب سے پہلے نماز آتی ہے، پھر عبادت مالی یعنی زکوٰۃ کا بیان ہے۔ اس کے بعد روزوں اور حج کا ذکر ہے۔ آپ نے ان سب عبادات کی حکمتیں بتائی ہیں۔ یہ اسلام کا رکن اوّل ہے۔ اور اس کا رُکن ثانی رسالت ہے۔ رسالت کے

ضمن میں سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ رسالت کی ضرورت کیوں ہے، اور یہ کہ انبیاء کا معصوم ہونا کیوں ضروری ہے۔

حضرت مولانا انبیاء کی شفاعت کا تو اثبات کرتے ہیں، لیکن نصاریٰ نے کفارہ کا جو عقیدہ گھڑلیا ہے، اس کا ابطال فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔ "... اس لئے یہ ممکن نہیں کہ اطاعت کوئی کرے اور ثواب کا مستحق کوئی اور ہو جائے۔ گناہ کوئی کرے اور سزا کسی کو دی جائے۔ تابعداری تو انبیاء کریں اور مرحوم اُمتی ہو جائیں اور گناہ و تقصیر تو اُمتی کریں اور ملعون انبیاء علیہم السلام ہو جائیں۔..."

احادیث میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو معجزات بیان ہوئے ہیں مصنف علام نے سب کا اثبات فرمایا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ معجزہ ثمرۂ نبوت ہے، نہ مدارِ نبوت۔ اصل ثبوت تو ان دو باتوں کو مقتضی ہے کہ فہم سلیم و اخلاقِ حمیدہ اس قدر ہوں۔ رہے معجزات، وہ بعد عطائے نبوت عطا کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ جس نے اظہارِ معجزات کے امتحان میں نمبر اوّل پایا، اس کو نبوت عطا کی، ورنہ ناکام رہا۔ اس لئے اہلِ عقل کو لازم ہے کہ اول فہم و اخلاق و اعمال کو میزانِ عقل میں تولیں اور پھر بولیں کہ کون نبی ہے اور کون نہیں۔

اسی ضمن میں قرآن کے معجزہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ "علاوہ بریں قرآن شریف جس کو تمام معجزات علمی و افضل و اعلیٰ کہئے، ایسا برہانِ قاطع ہے کہ کسی سے کسی بات میں اُس کا مقابلہ نہ ہوسکا۔ علوم ذات و صفات و تجلیات و بدء خلائق و علمِ برزخ و علمِ آخرت و علمِ اخلاق و علمِ احوال و علمِ افعال و علمِ تاریخ وغیرہ اس قدر ہیں کہ کسی کتاب میں اس قدر نہیں۔ کسی کو دعویٰ ہو تو لائے اور دکھائے، اس پر فصاحت و بلاغت کا یہ حال کہ آج تک کسی سے مقابلہ نہ ہوسکا۔

کتاب کا اختتام گوشت کی قلت پر ہوتا ہے، اس میں اہلِ ہنود کے اس اعتراض کا کہ گوشت کے لئے جانوروں کا ذبح کرنا سراسر ظلم رہا ہے، جواب دیا گیا ہے۔

باوجود اِس بات کے کہ کتاب حجۃ الاسلام عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مناظرہ کے طور پر لکھی گئی ہے لیکن اسلام کی حقانیت کو ایسے حکیمانہ طریقے سے پیش کیا گیا ہے کہ نفسِ مذہب پر اس کی حیثیت ایک مستقل بحث کی ہو گئی ہے ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی کتابیں پڑھ کر ان کے بارے میں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی یہ رائے ماننی پڑتی ہے کہ مولانا محمد قاسم حکیم الہند امام ولی اللہ کی حکمت اور انقلاب کے مجدد تھے اور آپ نے ولی اللّٰہی حکمت و معارف کو اہل ہند کے لئے زمانہ حاضر کے لباس میں پیش کیا ۔

وحدت الوجود کا جو ولی اللّٰہی تصور ہے ، مولانا محمد قاسم نے کس خوبی سے اُسے اس کتاب میں پیش کیا ہے ، اور اسے اساس بنا کر اپنی بحث کی عمارت اُٹھائی ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا کلمۃ اللہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "تمام انبیاء بلکہ تمام کائنات کلماتِ خدا ہیں ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کلام حقیقی کلام معنوی ہے ۔ الفاظ کو فقط بایں وجہ کلام کہہ دیتے ہیں کہ کلام معنوی پر دلالت کرتے ہیں "

ایک دوسری بات جو اس کتاب میں بڑی واضح ہے ، وہ حقائق کو جاننے پہچاننے کے لئے عقل اور وہ بھی عقل مصفا کو استعمال کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے ۔

حضرت عیسٰی کی عبدیت ثابت کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :-

" . . . . افسوس تو یہ ہے کہ عقل و دانش سب موجود ، پر وہاں بجز آثارِ بندگی اور کوئی چیز نہیں ۔ تس پر بھی اُن کو خدا کہے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے ۔ یہ کس شراب کا نشہ ہے ، جس نے عقل و دانش سب کو بے کار کر دیا "

اس کے بعد عقل و دانش کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

" کیا عقل و دانش فقط اس متاعِ قلیل دنیا ہی کے لئے خدا نے عطا فرمائی تھی ۔ ہرگز نہیں ۔ یہ چراغ بے دُود ، راہ دین کے نشیب و فراز

کے دریافت کرنے کے لئے تھا . . ."

پوری کتاب میں ایک جملہ بھی مخالفوں کے دل کو دُکھانے والا نہیں، بلکہ اپنی بحث کا آغاز کس دردمندی سے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"میرے ذمہ بوجہ خیرخواہی . . . لازم ہے کہ غلطی والوں کو غلطی سے آگاہ کروں اور مغلوبانِ خواہش کو اپنا شریکِ مرض سمجھ کر فضائل آخرت سمجھاؤں۔ اور اُن سے خود اس ترغیب کا امیدوار ہوں۔"

کتاب کے متن کے بیچ میں مولانا اشتیاق احمد صاحب نے جو حاشیہ لکھا ہے، وہ کتاب کے مفہوم کو واضح کرنے میں بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے، اور اس سے مطالبِ کتاب کو سمجھنا قدرے آسان ہوگیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس معارف القرآن نے یہ کتاب شائع کرکے ملّت کی بڑی خدمت کی ہے۔ ہمیں امید ہے، نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا، اور حضرت مولانا محمد قاسم کی دوسری کتابیں بھی اسی اہتمام سے شائع ہوں گی۔

کتاب مجلّد ہے، بڑے سائز کے ۱۷۶ صفحے، کاغذ بہت عمدہ، طباعت و کتابت اعلیٰ، قیمت تین روپے پچاس پیسے۔ ملنے کا پتہ مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند۔ یو۔پی۔ ہند۔

اعلان

ایک کتابچہ "شمع ھدایت" جس میں بنیادی اسلامی مسائل نہایت مؤثر انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر درجِ ذیل پتہ سے مفت طلب فرمائیں۔

ٹائفون لمیٹڈ

نزد پرانا حاجی کیمپ۔ کراچی ۱